جناب ڈاکٹر ابو سلمان، شاہجہانپوری

تحریک ہجرتِ افغانستان ۱۹۲۰ء کے مختلف کردار، شخصیات اور اثرات

۱۹۲۰ء میں مسلمانانِ برعظیم پاک و ہند کی ہجرتِ افغانستان کی تاریخ افکار اور قطعی دستاویزات کی روشنی میں معروف سکالر جناب ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہانپوری نے پہلی مرتبہ اس کے مختلف کردار، جماعتوں، شخصیات اور ان کے عزائم و اہداف سے نقاب اٹھایا ہے اور بتایا ہے کہ اس میں آغا خان، اہل التشیع اور محمد علی جناح اپنے مذہبی عقائد کی روشنی میں کن مقاصد کے تحت مصروفِ عمل تھے۔ ان کے عمل اور کردار کا ہدف کیا تھا اور کیا ہونا چاہیئے تھا۔ پھر اس کے جو نتائج نکلے وہ مختلف جماعتوں اور شخصیات کے عقائد اور فکری پس منظر کی روشنی میں غیر متوقع ہرگز نہ تھے۔ امید ہے کہ قارئین بھی اس مختصر مگر دور رس نتائج پر مشتمل تحریر کی قدر کریں گے۔ (عبدالقیوم حقانی)

تحریکِ ہجرت افغانستان ۱۹۲۰ء کے سلسلے میں ایک اہم سوال یہ ہے کہ اس سے ہماری قومی اور سیاسی زندگی کو فائدہ پہنچا یا نقصان؟ جس طرح سیلاب آتا ہے تو تباہی و بربادی اس کے جلو میں آتی ہے۔ لیکن اپنے پیچھے زرخیزی چھوڑ جاتا ہے اور بارش جب زمین کے لئے حیاتِ تازہ کا پیغام لے کر آتی ہے تو بعض اوقات کھیتیاں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ اس طرح کسی قوم کی زندگی میں تحریکیں ہوتی ہیں۔ بعض تحریکیں سیلاب کی طرح ہوتی ہیں بعض کی مثال بارش میں ڈھونڈھنی چاہیئے۔ ان کے نفع و نقصان کے اندازے کے لئے کوئی پیمانہ ایجاد نہیں ہوا جس سے ناپ کر فیصلہ کر دیا جائے کہ اتنا نفع اور اتنا نقصان ہوا۔

تحریکِ ہجرت کی بدولت قوم کو بہت نقصان اٹھانے پڑے سینکڑوں خاندان تباہ و برباد ہوئے لیکن اس واقعے سے ملک کی آزادی اور اسلامی ممالک کی آزادی اور ان کی سیاست سے برصغیر کے

مسلمانوں کی دلچسپی کا اندازہ بھی ہوگیا۔ اور اس سے یہ بھی پتا لگ گیا کہ مسلمان قومی اور ملّی زندگی کے استحکام کے لئے ایثار و قربانی کی راہ میں کتنی دور تک جاسکتے ہیں اور کیا کچھ کرسکتے ہیں۔

اس تحریک کی وجہ سے جو نقصان ہوئے تھے ان میں برٹش استعمار کے حصے کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اس تحریک کو در پردہ ناکام بنانے کے لئے اندرون ملک سے بیرون ملک تک برٹش استعمار کے ہزاروں ایجنٹوں نے کام کیا۔ ان ایجنٹوں کی ریشہ دوانیوں نے مہاجروں میں تفرقہ پیدا کی۔ ان کے مختلف گروہوں کو ایک دوسرے سے بدظن کیا۔ ان کے درمیان نفرتوں کے بیج بوئے، ہندوستان میں مسلمانوں کو ہجرت پر اکسایا اور افغانستان میں مقامی اور غیر مقامی کا مسئلہ پیدا کیا۔ اختلافات کو ہوا دی۔ مقامی حضرات کو مہاجروں کے خلاف بھڑکایا۔ ملک کے لئے ان کے وجود کو مصیبت ٹھہرایا۔ زمینوں کے دیئے جانے۔ ان کے روزگار فراہم کرنے اور سرکاری دفتری نظام میں ان کی خدمات کو مقامی لوگوں کے حقوق پر ڈاکہ اور استحصال ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس طرح سندھ اور سرحد کے مسلمان خاندانوں کو جتنا نقصان پہنچا اس سے کہیں زیادہ نقصان برٹش حکومت کے ایجنٹوں نے تحریک ہجرت اور قومی و ملّی زندگی کو پہنچایا۔

انگریزوں نے ملک کی ایک نامور مسلمان اور ذہین شخصیت کو افغانستان میں بطور سفیر بھیج کر تحریک کو سبوتاژ کرانے کا پروگرام بنایا تھا۔ آخر انگریز ایسا کیوں چاہتا تھا۔ مسلمانوں کو نقصان سے بچانے کے لئے یا وہ اپنے مفاد میں تحریک کو سبوتاژ کرنا چاہتا تھا؟

ہمیں ہجرت جیسی ملّی تحریک کے نفع و نقصان کو صرف سندھ اور سرحد کے میدانوں میں تلاش نہ کرنا چاہئے بلکہ یہ بھی سوچنا چاہئے کہ تحریک ہجرت سے افغانوں کی سیاسی بیداری کا ایک دور شروع ہوا۔ افغانستان کی آزادی کی تحریک میں ہندوستانی انقلابی عنصر کی شمولیت سے تقویت پیدا ہوئی۔ اور افغانستان سے برٹش حکومت کی صلح اور ایک باعزت سمجھوتے میں اس پر دباؤ بڑھا۔ افغانستان کو ہندوستان کی آزادی کی تحریک کے خلاف استعمال کئے جانے کا آئندہ کے لئے سدّباب ہوگیا۔

تحریک ہجرت کو ایک جنون ہی تصور کیا جائے تب بھی یہ سراسر نقصان کا سودا نہ تھا۔ اس کی بدولت مسلمانوں کی تحریک خلافت اور ہندوستان کی تحریک استقلال کا شہرہ دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گیا۔

تحریک ہجرت کا ایک اور فائدہ ہوا۔ ایسا فائدہ جو خلافت کے وفد یورپ سے بھی نہ ہوا تھا۔ وہ یہ کہ تحریک ہجرت کی بدولت ہندوستان کے عوام اور مسلمانوں کی بے چینیوں، ہندوستان کے سیاسی مسئلے اور آزادی کی جدوجہد اور اس کے مقاصد سے ایران، روس اور ترکی کے لوگوں کو قریبی بلکہ براہ راست واقفیت ہوئی۔ تحریک آزادی ہند میں ایک انقلابی عنصر کا اضافہ ہوا۔ اس عنصر کا تعلق بیرون ملک کی

ایک انقلابی فکر اور جماعت سے تھا۔ اس کے دو فائدے ہوئے۔

۱۔ روس کی انقلابی حکومت کو ہندوستان کی آزادی کے مسئلے سے گہری دلچسپی اس کے بعد ہی ہوئی اور یہ اسی کا اثر تھا کہ

۲۔ حکومت ہند اور برٹش استعمار کو تشدد کی پالیسی پر نظر ثانی کر کے اپنا سختی اور تشدد کا رویہ بھی تبدیل کرنا پڑا۔

بلاشبہ اس بیرونی انقلابی فکر کے اثرات ہندوستانی نوجوان پر بھی پڑے۔ لیکن یہ اثرات گنتی کے نوجوانوں کے ذہنوں تک محدود تھے۔ ملک کی عام زندگی پر نہ اس کا کوئی اثر پڑا تھا اور نہ ملک میں کوئی انقلاب رونما ہوا۔

پھر اس حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہئے کہ جن نوجوانوں نے ان اثرات کو قبول کیا تھا، وہ اپنے ماحول، پس منظر، خیالات، اعمال، اپنی تعلیم اور تربیت کے لحاظ سے پہلے ہی کتنے مسلمان تھے۔ جن کے انقلاب فکر و حال کا ماتم کیا جائے۔ وہ پہلے ہی ایک غیر اسلامی و جاہلی زندگی گذار رہے تھے۔ بعد میں بھی ان کی زندگی وہی رہی۔ وہ جتنے اور جیسے مسلمان پہلے تھے ویسے ہی اس فکر کو اختیار کر لینے کے بعد تھے۔

اگر انگریزوں نے شروع میں تحریک کو ڈھیل دی تھی تو اس لئے کہ مسلمانوں کا جوش نکل جائے مہاجرین کے واپس آنے پر کسی قسم کی رعایت یا مدد کی تو اس لئے کہ آئندہ کسی تحریک میں حصہ لینے سے انہیں روکا اور دبایا جا سکے۔

تحریک کے مخالفین اور رویے | کسی تحریک میں مختلف اسباب، افکار، عقائد اور مصالح ذاتی و اجتماعی کی بنا پر حمایت یا مخالفت کی جاتی ہے۔ اس لئے کسی مسئلے میں ہر شخص کے عمل و اقدام کو یکساں حیثیت نہیں دی جا سکتی۔ مسئلہ خلافت اور تحریک ہجرت کے بہت سے مؤید تھے اور بہت سے مخالف۔ اور ان سب کی حمایت یا مخالفت کے مختلف وجوہ تھے۔ مثلاً:-

۱۔ ایک شخص خلافت کا ایک خاص عقیدہ رکھتا ہے۔ وہ اپنے عقیدے کے مطابق خلافت کے منصب کے حفظ و دفاع کو اپنا مذہبی فرض سمجھتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ترکوں کے ساتھ سیاسی طور پر ناانصافیاں ہوئی ہیں اور مسلسل ہو رہی ہیں وہ ان کی تلافی بھی چاہتا ہے وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ ترکی اور تمام اسلامی ممالک کے مصائب کی علت ہندوستان کی غلامی ہے اس لئے وہ نہایت خلوص کے ساتھ ملک کی آزادی کی جدوجہد بھی کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس عمل میں ایک خاص جوش جذبہ اور فدائیت بھی ہوگی۔

۲- دوسرا شخص خلافت کے عقیدے اور مسلک ہی کو نہیں مانتا۔ اس کے عقیدے کے مطابق ترکی کا عثمانی خاندان کسی اور کے حق خلافت کا غاصب ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ تحریک خلافت کو مدد پہنچانے اور تحریک ہجرت میں حصہ لینے سے اُس کے عقیدے کے برعکس ترکی خلافت یا منصب خلافت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے اس لئے اس شخص کا رویہ اور عمل اوّل الذکر شخص سے بالکل مختلف ہوگا۔

۳- تیسرا شخص نہ عثمانیوں کو خلافت کا حق دار سمجھتا ہے اور نہ انہیں مسلمان خیال کرتا ہے جو اصلاح احوال کے لئے ہندوستان اور ترکی میں کوشاں ہیں۔ وہ نہایت دیانت کے ساتھ اپنے مطالعے اور مشاہدے کی بنیاد پر ترکوں پر انگریزوں کو ترجیح دیتا ہے۔ اس کی مخالفت تحریک خلافت کی اصل بنیاد یہی ہے۔

۴- چوتھا شخص نہایت سنجیدگی اور علمی دیانت کے ساتھ خلافت کا حق قریش میں محدود سمجھتا ہے لیکن چونکہ عثمانیوں نے خلافت قائم کرلی ہے۔ اس پر صدیاں گذر چکی ہیں۔ ان کی ایک عظیم الشان تاریخ ہے ہے۔ اس لئے ان کی خلافت نہ سہی حکومت کو جائز سمجھتا ہے۔ لیکن جب ایک سید زادہ (حسین، شریف مکہ) کسی کے ایماء واشارے پر معصیت خروج پر کمربستہ ہوتا ہے اور خلافت سے بغاوت کرتا ہے تو اس کے پس منظر کو جانتے بوجھتے کہ اس کا مقصد اسلامی حکومت یا منصب خلافت کی تنقیص وتقطیع ہے۔ وہ اس کے خلاف نہ کوئی اقدام کرتا ہے نہ لب کشائی۔ اس کے رویے کی کسوٹی پہلے شخص کا کیریکٹر نہیں ہوسکتا۔

۵- پانچواں شخص اسلام ہی کو نہیں مانتا۔ خلافت کے عقیدے پر ایمان یا اس سے انکار کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن وہ یہ سمجھتا ہے کہ سیاسی طور پر ترکوں کے ساتھ ناانصافی ہورہی ہے۔ وہ صرف سیاسی پہلو کے لئے تحریک خلافت کی تائید کرتا ہے اور مسلمانوں کا ساتھ دیتا ہے۔

کیا ہم کوئی ایسا اصول وضع کرسکتے ہیں کہ تحریک خلافت اور تحریک کے ہر حمایتی اور ہر مخالف کو اس اصول کی کسوٹی پر کسیں اور پرکھ کر اس کے کیریکٹر کے بارے میں فیصلہ کردیں؟

اگر ہم تحریک خلافت، اور ترک موالات کے پروگرام اور ہجرت کے عمل کے حامیوں اور مخالفوں پر نظر ڈالیں تو ان کے عمل کے پس منظر میں افکار وعقاید کا یہ اختلاف وتباین صاف نظر آجائے گا۔ اس سے ہمیں یہ فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی کہ

مولانا محمد علی، شوکت علی، ابوالکلام آزاد ظفر علی خان
ہز ہائی نس سر آغا خاں، جسٹس امیر علی۔ قائد اعظم محمد علی جناح
بریلوی مکتبہ فکر اور

فرنگی محل لکھنؤ کے علماء کرام اور
مہاتما گاندھی اور غیر مسلموں کو کن خانوں میں رکھا جائے۔

یہی خانے درحقیقت ان حضرات کے کیریکٹر کی کسوٹی ہیں۔ ایک مسلمان کے لئے خلافت کی راہ میں سب کچھ لٹا دینا ہی اس کے ایمان اور اس کے اسلامی کیریکٹر کا ثبوت ہے۔ لیکن جو شخص خلافت کے منصب کو قریش یا اہل بیت کا غصب شدہ حق سمجھتا ہے اس کے ایمان کا ثبوت اور کیریکٹر کا معیار یہ قرار پائے گا کہ وہ غصب شدہ منصب خلافت کی روایت کے حفظ و دفاع کے ہر عمل کی مخالفت کرے اور کوئی ایسا قدم نہ اٹھائے جس سے بالواسطہ یا بلاواسطہ خلافت کی روایت کے حفظ و دفاع میں فائدہ اٹھایا جا سکے۔ چونکہ تحریک ہجرت میں خلافت ہی کا مفاد پوشیدہ تھا۔ اس لئے تحریک ہجرت کی مخالفت کرنا بھی ان کا مذہبی فریضہ تھا۔ اس بارے میں ہمیں ان کا شکوہ سنج ہونے کے بجائے ان کے کیریکٹر کی خوبی کا اعتراف کرنا چاہیے لیکن ایسے شخص کی رائے کا حوالہ خلافت کی تحریک یا ہجرت کے عمل میں اور اس سے تحریک کے صحیح یا غلط ہونے پر استدلال کرنا درست نہیں ہو سکتا۔

بقیہ جہاد

معترض نے جو جنگ چھیڑی ہے وہ اصطلاحات کی جنگ ہے، حقائق کی نہیں۔ انہوں نے چند اصطلاحات کو بنیاد بنا کر "علم" کے خلاف ایک جارحانہ حملہ کر دیا ہے۔ حالانکہ ان اصطلاحات کے جو معنی ہیں وہ "دو رخی" ہیں۔ یعنی فی سبیل اللہ اور جہاد دونوں ایسے سکوں کی طرح ہیں جن کے دو رخ ہوں ایک رخ مثالی (جنگ و قتال کا) ہے۔ تو دوسرا علمی ہے۔ مگر معترض کو صرف اس کے پہلے مفہوم پر اصرار ہے اور دوسرے سے انکار ہے۔ یعنی وہ دنیا والوں کو "سکہ" کا صرف ایک ہی رخ دکھا کر چھپانا چاہتے ہیں لہٰذا اس موقع پر راقم سطور کو یہی مستور شدہ رخ ظاہر کرنا ہے۔ اور یہ بھی "علمی جہاد" ہی کی ایک قسم ہے جو اس موقع پر خود معترض کے خلاف کی جا رہی ہے۔

اصل میں معترض اور ان کے ہم نواؤں کو یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ اگر علمی و اشاعتی ادارے بھی زکوٰۃ کے مستحق بن جائیں تو پھر مدرسوں کا کیا ہوگا؟ انہیں شریعت کی اتنی فکر نہیں ہے جتنی کہ مدرسوں کی ہے۔ بقول اقبال علیہ الرحمہ ؎

خودی کی موت سے پیر حرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھائے مسلمان کا جامۂ احرام